بھولے سبزی فروش کا بھول پن

تحریر: سہیل احمد لون

بچپن جیسا بھی ہو مگر انسان کو کبھی نہیں بھولتا۔ انسان ترقی کے زینے طے کرتا ہوا کسی بڑے عہدے یا مقام پر پہنچ جائے تو اکثر اپنے ماضی کے دریچے میں جھانک کر ضرور دیکھتا ہے، بعض اوقات بچپن کے بھولپن میں ایسے کارنامے کر چکا ہوتا ہے جسے وہ منظر عام پر لانے میں شرمندگی محسوس کرتا ہے اور بعض ایسے کام سرزد ہوئے ہوتے جن کو جتنی بار بھی سوچے چند لمحات کے لیے سارے غم فکر بھول کر ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لیے وہ بڑی محفلوں میں کسی لنگوٹیے سے زیادہ گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہمارا بچپن بھی بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کا دور تھا جس میں تفریح کے لیے کھیل کا میدان یا محلے کی گلیاں ہی سب کچھ تھیں۔ آج کمپیوٹر دور میں بچے کی تفریح کا مرکز موبائل یا انٹرنیٹ ہے، جس میں صحت مندانہ تفریح تو میسر نہیں آتی، البتہ بچہ، بچہ نہیں رہتا...... اسے کھیلنے کے لیے کسی دوسرے بچے کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی کیونکہ موبائل یا انٹرنیٹ کے سمندر میں اکیلے غوطہ زن ہونے کا مزہ ہی الگ ہے۔ تنہا لطف اندوز ہونے والے کو ہم کسی وقت میں پگلا تصور کرتے تھے مگر آج کا بچہ تنہا تفریح حاصل کر کے مل جل کر رہنے کی روایت کو بھولتا جا رہا ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے بچپن میں بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی پر ہفتے میں دو بھارتی اور مہینے میں ایک پاکستانی فلم ٹی وی پر لگتی تھی۔ جسے دیکھنے کے لیے شام کو ان گھروں کا رخ کرتے تھے جن کے گھر ٹی وی ہوتا تھا۔ محلے میں جن کے گھر ٹی وی، فریج یا ٹیلیفون ہوتا تھا ان سے تعلقات خراب کرنے کا کوئی رسک نہیں لیتا تھا۔ ویسے اس وقت امن و امان کی صورت حال گلی محلے میں بھی بہت بہتر ہوتی تھی جس کا اندازہ اسی بات سے لگا سکتے ہیں کہ ہم نے بچپن میں لفظ غنڈہ گردی سنا اور پڑھا تھا مگر کبھی دہشت گردی کے لفظ سے پالا نہیں پڑا تھا۔ موسم کے ساتھ تفریح اور کھیل کے انداز بدل جاتے جن میں کرکٹ، پتنگ بازی، بانٹے یا قینچے، اخروٹ، بندر کلا، چور سپاہی، اور ایسی کئی دیگر کھیل جواب انٹرنیٹ کی دنیا میں کہیں دفن ہو گئے ہیں۔ تہوار منانے میں بھی مادیت کی جھلک کم ہی نظر آتی تھی۔ تہوار کوئی بھی ہو ہم اسے بھرپور طریقے سے منا کر زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اکثر تہوار تو سالانہ ہی ہوتے ہیں مگر انتخابات ایسا تہوار ہے جو چاہے تو ایک دہائی میں نہ آئے...... کبھی بے موسمی پھل کی طرح وقت سے پہلے بھی آ جائے۔ ہم بچپن سے ہی انتخابات کو ایک تہوار کی طرح منا رہے ہیں، کبھی ایسا وقت تھا جب بھارت میں انتخابات ہوتے سارا دن اکلوتے دوردرشن پر بھارتی فلمیں اور پاکستان میں انتخابات ہوتے تو ٹی وی پر فلموں کے ساتھ خصوصی نشریات کا انتظام ہوتا، ہر طرف عید یا میلے کا سماں محسوس ہوتا۔ قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات پر جوش و جذبہ تو ملک گیر ہوتا ہی تھا مگر بلدیاتی انتخابات کا موسم کسی بڑے فیسٹیول سے کم نہیں ہوتا تھا۔ میرا بچپن انجیرنگ یونیورسٹی کے عقب گھوڑے شاہ (شمالی لاہور) میں گزرا ہے۔ اس وقت بلدیاتی انتخابات میں جیتنے والا امیدوار علاقے کا کونسلر بن جاتا انہیں میں سے شہر کا میئر بھی چن لیا جاتا۔ ہماری سیاسی شطرنج کی بساط چاہے قومی، صوبائی اسمبلیوں کے لیے بچھائی جائے یا کونسلر یا ناظم کے لیے...... اس میں عام آدمی چاہے جتنا مرضی قابل، دیانتدار، شریف، مخلص، سیاسی بصیرت اور بصارت کا حامل ہو

اگر اس کے پاس پیسہ نہیں تو وہ اس میں پیادے یعنی سیاسی ورکر کی حیثیت سے مار کھانے کے لیے اپنی جان وقف کر سکتا ہے مگر بادشاہ وزیر بنا اس کے مقدر میں نہیں ہوتا۔ ہمارے علاقے میں بھی بلدیاتی انتخابات میں حصہ تو کئی لیتے تھے مگر نتیجہ ہمیشہ ملک محمد اسلم (مرحوم) کے حق میں آتا۔ ملک صاحب کار حادثے میں ہلاک ہوگئے تو ان کی جگہ ان کے بھائی ملک محمد اصغر نے سنبھال لی۔ جیسے وطن عزیز میں ہر برے کام کا ذمہ دار نامعلوم افراد ہوتے ہیں جن کے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر بھی درج کی جاتی ہیں ایسے ہی نامعلوم افراد کے ووٹ سے ہمارے علاقے میں ملک صاحب جیت جاتے۔ ایک بلدیاتی انتخابات میں ملک صاحب کے مقابل اعجاز احمد ججی جو اس وقت کالا دھندا یعنی سفید پاؤڈر بیچنے میں مشہور تھا...... ملک صاحب کو ہرانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر ملک صاحب کو ہار ہضم نہیں ہوئی اور ججی کو اس کے گھر کے سامنے سرے عام گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ ملک خون بہا دیکر دوبارہ کونسلر بن گیا مگر ججی مقتول نے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ ملک صاحب کو ہرایا جا سکتا ہے۔ ہمارے محلے میں سبزی کی ایک دکان کھلی جسے بھولا اپنے والد کے ساتھ چلاتا تھا۔ بھولا روایتی سبزی فروش نہیں تھا بلکہ وہ اصلی ڈگری ہولڈر تھا۔ نوکری نہ ملنے پر اس نے باپ کے ساتھ دکان چلانا شروع کر دی اور چند ہی دنوں میں بھولے کی دکان سب سبزی فروشوں کے لیے دردسر بن گئی کیونکہ علاقے کے تمام لوگ بھولے کے اخلاق سے بہت متاثر تھے اور بھولا سبزی بھی دوسرے سبزی فروشوں سے سستی دیتا، کچھ مسکین، یتیم اور نادار لوگ مفت سبزی بھی لے جاتے۔ اس کے علاوہ بھولا ملکی سیاست میں بھی بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ بھولا معاشرتی طور پر ایک فعال نوجوان تھا جو اکثر علاقے کے مکینوں کے مسائل کے لیے آواز اٹھاتا اور انہیں حل کروانے کی کوشش کرتا۔ بلدیاتی انتخابات کا وقت آ گیا تو بھولا سبزی فروش بھی الیکشن میں ملک صاحب کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ بھولا تعلیم یافتہ، ہونہار، دردمند، شریف، متحرک اور فعال ، سیاسی شعور اور بصیرت رکھنے والا تھا جس نے شاید یہ سوچ کر الیکشن میں حصہ لے لیا کہ اگر ججی ملک کو ہرا سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں؟ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی ساری جمع پونجی انتخابی مہم پر لگا دی، حتی کہ اپنی شادی کے لیے بنائے گئے زیورات بیچ کر اس نے شادی کی قربانی الیکشن کے لیے دے دی۔ جب انتخابات کا نتیجہ آیا تو بھولا بری طرح ہار گیا، بھولا اتنا غمزدہ ہوا کہ اس کو جوانی میں ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ بیٹے کو آئی سی یو میں دیکھ کر بوڑھا باپ زندگی کی بازی ہار گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد بھولے نے دو ماہ تک سبزی کی دکان نہ کھولی۔ سب کچھ لٹا کہ ہوش میں آئے تو...... بھولے نے یہ حقیقت جان لی کہ سیاست میں غریب اور شریف ورکر تو بن سکتا ہے مگر وزیر، مشیر بننے کے لیے بدمعاشی اور امارت کا لائسنس ہولڈر ہونا ضروری ہے۔ اب پاکستان میں انتخابات کا تہوار پھر آ رہا ہے جس کی تیاری کا جوش برطانیہ، یورپ اور امریکہ تک محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تحریک انصاف میں پارٹی الیکشن میں ٹوپیاں بیچنے والے، رکشہ چلانے والا، سبزی فروش اور قلم کے مزدور منتخب ہوکر عہدے کی ذمہ داریاں سنبھال چکے ہیں۔ ان میں میرے بھائی جمشید بٹ بھی لاہور کے ٹاؤن داتا گنج بخش سے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ اب وہ حلقہ 144 سے تحریک انصاف کی ٹکٹ کے لیے اپلائی کر چکے ہیں۔ تخت لاہور کو بچانے کے لیے میاں برادرز نے 9 ماہ میں 90 ارب روپیہ خرچ کر دیا ہے۔ انتخابات کے دنوں میں تو نوٹوں کی بوریوں کے منہ پی پی پی، ق لیگ اور پی ایم ایل این بھی کھول دیں گی۔ خواجہ جمشید امام (جمشید بٹ) قلم کا وہ مزدور ہے جس کی قلم آج تک کسی سے خریدی نہ گئی۔ حق حلال کمانے والا ہمارے ملک میں حلال تو ہو سکتا ہے مگر کسی کو حلال ہوتا دیکھ نہیں سکتا۔ جمشید بھائی تو یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ ٹکٹ ہولڈر ہونے کے لیے اصلی ڈگری ہولڈر ہونا

ضروری نہیں بلکہ نوٹوں سے بھرا اکاؤنٹ ہولڈر ہونا زیادہ ضروری ہے۔ ہمارے ہاں تخت پر بیٹھنے کے لیے شرافت کا تاج نہیں بلکہ کرپشن، بدمعاشی، لوٹ مار سے بھرپور غیر انسانی فطرت کا مالک ہونا شرط ہے۔ سیاست اور خیرات کا آغاز گھر سے ہی کرنا چاہیے جمشید بٹ کو اہل علاقہ جانتے ہیں اگر وہ نظام میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو ووٹ دیتے وقت کم از کم امیدوار کی اہلیت، کردار، شعور اور سیاسی بصیرت کو ذہن میں ضرور رکھیں۔ اگر انتخابات کا نتیجہ وہی روایتی ہی نکلا تو جمشید بٹ کا کیا بنے گا؟ بھولا سبزی فروش تو بھولے پن میں نظام سے ڈنگ کھا کر اپنی دکان پر سبزی تولنے میں مصروف ہو گیا مگر جمشید بٹ کے پاس تولنے کے لیے تو اس کا اپنا ہی لکھا ہوا مواد اتنی تعداد میں ہے جسے وہ اب خود بھی نہیں پڑھ سکتا۔ افسوس کہ ہمارے ہاں لکھا ہوا......ردی کے بھاؤ ہی بکتا ہے۔ جمشید بٹ سے خواجہ جمشید امام کا سفر تو کسی طرح کٹ گیا ......مگر خواجہ جمشید امام سے جمشید بٹ کا سفر مہنگا نہ پڑ جائے............!!! جس کا امکان بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا تجربہ وہ ماضی میں (1990) میاں محمد شہباز شریف کے مقابلے میں اندرون لاہور سے الیکشن لڑ کر چکے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com

12-03-2013.